رشید حسن خاں کی نیم تدوینی کتب

ڈاکٹر محمد سعید *، ڈاکٹرسیدہ مصباح رضوی **

Abstract:

"Mr. Rashid Hassan khan possesses a special position in the tradition of Urdu editing. The scholars recall him "the Master of Editing". Such examples of the editing of Rahid Hassan khan with a longtime practice were appeared science in 1990. Beyond these he edited some classic texts with an appreciable accuracy these are his primary examples of editing which are not of the standards of his editing known as the masterpieces having highly beneficial value. But these are an evidence of his interest in editing from the beginning of his contribution towards editing. In this article the Sami editing books of Rahid Hassan khan has been discussed by which we can observe his evolving thought process."

Key Words: Rashid Hassan khan, Urdu Editing, Urdu Research, Masterpiece of Urdu.

دہلی میں غلام ربانی تاباں (۱۹۱۳ء ۔ ۱۹۹۲ء)سے رشید حسن خاں (۱۹۲۵ء ۔ ۲۰۰۶ء)کے گہرے دوستانہ مراسم تھے ۔ اُس وقت وہ جامعہ ملیہ کے ایک ذیلی اشاعتی ادارے مکتبۂ جامعہ کے جنرل منیجر تھے ۔ رشید حسن خاں کی تجویز اور تعاون سے اُنھوں نے کلاسیکی ادب کے بعض ایسے شاہکاروں کو صحتِ متن کے ساتھ چھاپنے کا منصوبہ بنایا جو کسی نہ کسی طرح کے نصابات میں بھی شامل تھے ۔ اِس اشاعتی سلسلے کا نام '' معیاری ادب '' سیریز رکھا گیا۔ رشید حسن خاں نے ۱۹۶۳ء میں باغ و بہار کو مرتب کرنے کی ذمہ داری لی اور ۱۹۶۴ء میں یہ مکمل ہو کر شائع ہوئی ۔ یہ اِ س معیاری ادب سیریز کی پہلی کتاب تھی ۔ ۱۹۶۶ء تک رشید حسن خاں نے مزید دو کتابیں مثنوی گلزارِ نسیم اور مثنوی سحرالبیان مرتب کیں جو بالترتیب ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئیں ۔ خیال یہ ہے کہ غلام ربانی تاباں کے زمانے تک رشید حسن خاں کی

*ایسوسی ایٹ پروفیسر ،شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی لاہور
** اسسٹنٹ پروفیسر ،شعبہ اُردو ، جی سی یونیورسٹی ، لاہور

صرف یہی تین کتابیں شائع ہوئی تھیں ۔ اِ ن میں صرف چند صفحے کا مرتب کا '' پیش لفظ'' تھا اور اِ س کے بعد متن، جس کی بنیاد کسی اہم ایڈیشن پر رکھی جاتی رہی ہے ۔ آخر میں ''فرہنگ'' بھی شامل کی تھی ۔ ادارے کی طرف سے کسی طرح کی کوئی تحریر اِن میں شامل نہیں اور نہ اِ س سلسلے کے لیے کوئی مجلس ادارت تھی ۔ البتہ اِ س سلسلے کی پہلی کتاب باغ و بہار کے چند صفحے کے ''پیش لفظ '' ہی میں رشید حسن خاں نے ادارے کے اِ س منصوبے اور مقاصد کے بارے میں درج ذیل باتیں لکھ دی تھیں:

''مکتبۂ جامعہ نے اردو کی معیاری کتابوں کے سستے ایڈیشن پیش کرنے کا فیصلہ کیاہے، یہ کتاب اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ اس سلسلے کی کتابوں کی ترتیب میں مندرجہ ذیل امور کو خاص طور سے ملحوظ رکھا جائے گا:

''(۱)اس بنیادی اصول کے تحت کہ کتاب کا متن معتبر ترین اشاعت پر مبنی ہو، ان کتابوں کے اوّلین ایڈیشن ، یا بصورت دیگر قابلِ ذکر اشاعتیں پیشِ نظر رکھی جائیں گی ، اور دوسرے قدیم نسخوں سے بھی مدد لی جائے گی ۔

(۲)جن کتابوں کے معتبر ایڈیشن موجود نہیں ، ان کے معتبر قلمی نسخوں کو متن کی بنیا د بنایا جائے گا۔

(۳)بیشتر کتابوں کے آخر میں ضروری الفاظ کی فرہنگ ہو گی ۔

(۴)عربی ، فارسی اور ہندی کے وہ لفظ جو آج کل کم استعمال ہوتے ہیں ، یا متروک ہو چکے ہیں ، یا جن کے تلفظ میں کسی غلطی کا احتمال ہو سکتاہے ، ان کو احتیاط کے ساتھ مع ضبطِ حرکات درج کیا جائے گا ''۔ اس کتاب میں بھی ان تمام امور کا لحاظ رکھا گیاہے۔''[۱]

اِ س کے بعد مکتبۂ جامعہ کے نئے جنرل منیجر شاہد علی خاں(۱۹۳۲ء ۔۲۰۲۱ء) کے زمانے میں ۱۹۶۹ء میں اِس معیاری ادب سیریز کو پھر سے شروع کیا گیا ۔ حکومتِ جموں و کشمیر کا مالی تعاون حاصل ہوااور ایک مجلس ادارت بھی قائم ہوئی جس میں بالاترتیب ڈاکٹر سیّد عابد حسین ، رشید حسن خاں ، ڈاکٹر صدیق الرحمن قدوائی(پ:۱۹۳۶ ء) ، ضیا ء الحسن فاروقی(۱۹۲۵ء ۔۱۹۹۶ ء) ، غلام ربانی تاباں ، ڈاکٹر قمر رئیس (۱۹۳۲ء ۔۲۰۰۹ء)، مالک رام(۱۹۰۶ء ۔۱۹۹۳ ء) اور ڈاکٹر محمد حسن (۱۹۲۶ء ۔۲۰۱۰ء)کے نام شامل ہیں ۔ شاہد علی خاں (۱۹۳۲ء ۔۱۹۲۱ء) اِس مجلس ادارت کے کنوینئر تھے ۔ '' معیاری ادب '' سیریز کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے پہلی کتاب مقدمہ شعر و شاعری ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی اور یہ بھی رشید حسن خاں کی مرتب کی ہوئی ہے ۔ اِ س کتاب سے ایک صفحے کا '' حرفِ آغاز '' بھی شامل ہونا شروع ہوااور اراکینِ مجلسِ ادارت کے نام بھی شامل ہوئے تھے۔مکتبۂ جامعہ کے جنرل منیجرشاہد علی خاں '' حرفِ آغاز '' میں لکھتے ہیں:

''پرانی کتابیں کم یاب ہوتی جا رہی ہیں ۔ جو کتابیں ملتی ہیں ، اُن میں سے بیشتر قابل اعتبار نہیں ۔ عام طور سے ان کی قیمتیں بھی زیادہ ہوتی

ہیں اور بہت سے لوگ جو اچھی کتابوں کو خریدنا چاہتے ہیں ، قیمتوں کی زیادتی کی وجہ سے نہیں خرید پاتے ۔
ان اِمور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ، مکتبہ جامعہ نے ، حکومتِ جموں و کشمیر کے تعاون سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے جس کے تحت قدیم معیاری کتابیں صحتِ متن اور حُسنِ طباعت کے ساتھ پیش کی جائیں گی۔ اِن کتابوں کا متن بہت اہتمام کے ساتھ تیار کیا جائے گا جو اس کتاب کے معتبر ترین نسخے پر مبنی ہو گا۔ صحتِ متن کے ساتھ ساتھ صحتِ املا کا بھی بہ طور خاص لحاظ رکھا جائے گا ۔ اور یہ ساری کتابیں آفسٹ پر نہایت خوبصورتی کے ساتھ چھاپی جائیں گی۔ اس کے باوجود ان کتابوں کی قیمتیں کم سے کم ہوں اور اس کے لیے مکتبہ جامعہ حکومتِ جموں و کشمیر کا ممنون ہے جس کی مالی امداد نے اِ س بات کو ممکن بنایا۔''(۲)

اِ س کے بعد '' حرفِ آغاز'' کی یہی تحریر معیاری ادب سیریز کی ہر کتاب اور اِ س کے ہر ایڈیشن میں شامل رہی اور اراکینِ مجلسِ ادارت کے نام بھی ہر کتاب کے ہر ایڈیشن میں شامل ہیں ۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ غلام ربانی تاباں کے زمانے میں رشید حسن خاں کی مرتب کی ہوئی تین کتابوں کے علاوہ بھی اس معیاری ادب سیریز کے تحت کسی کی مرتب کی ہوئی کوئی کتاب شائع ہوئی تھی یا نہیں البتہ ۱۹۶۹ء کے بعد رشید حسن خاں کے علاوہ بھی متعدد حضرات نے کچھ کتابیں مرتب کی لیکن تعداد اور معیار کے لحاظ سے اِ س سیریز کی سب سے زیادہ کتابیں رشید حسن خاں نے مرتب کیں جن کی تعداد تیرہ ہے ۔ جن میں تین تو یہی باغ وبہار، گلزارِ نسیم اور سحرالبیان ہیں، ان کے بعد مقدمہ شعر وشاعری ، انتخاب نظیر اکبر آبادی ، گذشتہ لکھنؤ، دیوانِ درد، انتخابِ مراثی انیس و دبیر، انتخابِ مضامینِ شبلی ، انتخابِ سودا، انتخابِ ناسخ، حیاتِ سعدی اور موازنہ انیس و دبیرشامل ہیں۔

رشید حسن خاں نے مکتبۂ جامعہ کے تحت شائع ہونے والی اپنی اِ ن کتابوں کو اپنے ایک انٹرویو میں کوئی قابلِ ذکر قرار نہیں دیا۔ وہ ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر ممتاز احمد خاں(پ: ۱۹۳۶ء) کو کہتے ہیں:

''مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نے معیاری ادب کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ نصابی ضرورت کے پیشِ نظر فوری طور پر صحیح متن پیش کر دیا جائے اور جس میں دو صفحے کا مقدمہ ہو تو اس ذیل میں بہت سے کام ہوئے جو قابلِ ذکر نہیں ہیں ۔''(۳)

یہ کسر نفسی نہیں بلکہ اِ س انٹرویو کے وقت ان کے پیشِ نظر انجمنِ ترقی اُردو کے لیے مرتب کیے جانے والے متن تھے اور ان کے مقابلے میں مکتبۂ جامعہ کی ان کتابوں کو قابلِ ذکر نہیں سمجھا۔ ورنہ اسی انٹرویو میں انھوں نے انتخابِ ناسخ، گذشتہ لکھنؤاور انتخابِ مضامینِ شبلیکو اُن کے مقدموں کی بنا پر بہت اہم قرار دیاہے ۔ انتخابِ ناسخ کو تو اس انٹرویو میں عزیز ترین

کاوش کہا ہے ۔ اِ س کے علاوہ بھی اکثر جگہ اُنھوں نے اِ س کا ذکر بجا طور پر بڑے فخر کے ساتھ کیاہے ۔ دوسری یہ بات کہ مکتبۂ جامعہ نے جو طے کیا کہ اِ ن کتابوں پر مقدمہ دو چار صفحوں کاہے ۔ رشید حسن خاں نے بعض کتابوں میں اس کی پابندی کی پروا نہیں کی اور طویل مقدمے بھی لکھے جن پر ادارے کو بھی کوئی اعتراض نہیں رہاہوگا کیونکہ اِ ن میں واقعی بڑی اہم بحثیں پہلی بار سامنے آئی ہیں ۔ انتخابِ ناسخ کا مقدمہ سب سے طویل ہے جو سو اسو صفحے پر پھیلا ہواہے ۔ انتخابِ مضامینِ شبلی کا مقدمہ دس صفحے کا ہے لیکن انتخابِ سوداکا اس سے زیادہ طویل ہے جو چالیس صفحات پر مشتمل ہے ۔ اِ س کا ذکر رشید حسن خاں نے نہیں کیا۔ اِ ن میں سے انتخابِ ناسخ جو سب سے زیادہ اہم ہے ۔ اِ س کے بارے میں پہلے رشید حسن خاں کی آرا دیکھیے ۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کو دیے گئے انٹرویو میں کہتے ہیں:

> ''میرا ایک کام جو مجھے بہت زیادہ عزیز ہے وہ ہے انتخابِ ناسخ کا مقدمہ۔ انتخابِ ناسخ کو مکتبہ جامعہ نے شائع کیا تھا ۔ اس پر میں نے ایک سو بیس صفحے کا مقدمہ لکھا تھا ۔ اس مقدمے میں ، میں نے پہلی بار یہ ثابت کیاہے کہ آج تک تاریخِ ادب میں اس بات کو غلط طور پر پڑھا جا تا رہاہے کہ ناسخ نے زبان کی اصلاح کی ۔ ناسخ نے زبان کی کوئی اصلاح نہیں کی ، وہ ایک نئے رنگِ سخن کے بانی تھے، ان کا ایک انداز ہے ۔ یہ جو کہتے ہیں کہ انھوں نے فلاں لفظ کا استعمال تر ک کیا یا متروکات کی فہرست بنائی تو یہ کام ان کے مرنے کے پندرہ بیس سال کے بعد ان کے شاگرد رشک نے کیا اور ناسخ سے منسوب کر دیا۔ میں نے پہلی بار اس بات کو ثابت کیا اور واضح کیا کہ ناسخ کا کلیات جو چھپا ہے اس میں ان کے شاگرد رشک نے بہت سی تحریفیں کر دی ہیں ۔ یعنی وہ مقامات جہاں ناسخ نے ایسا لفظ یا محاورہ یا اندازِ بیان اختیار کیا تھا جس کو رشک نے بعد کو متروک قرار دیا ، تو ایسے سارے مقامات کو انھوں نے بدل دیاہے۔''(۳)

یہ واقعتارشید حسن خاں کا تحقیقی انکشاف تھا ناسخ(۱۷۷۲ء ۔۱۸۳۸ ء) سے منسوب اصلاحِ زبان کے اصل واضع اِ ن کے شاگرد رشک تھے ۔ اِ س سلسلے میں رشید حسن خاں نے جس طرح کی امثال و دلائل کے ساتھ بحث کی ہے وہ تحقیقی کارنامہ قرار دی جا سکتی ہے ۔ رشید حسن خاں کے مرتبہ انتخابِناسخ کے پہلے ایڈیشن (۱۹۷۲ء)کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند (۱۹۳۲ء) لکھتے ہیں:

> ''انتخابِ ناسخ اس مفید سلسلے کی پہلی کتاب ہے جس پر ۱۳۲ صفحوں کا سیر حاصل مقدمہ ہے۔ یہ مقدمہ تنقید اور تحقیق دونوں اعتبار سے معرکہ آرا ہے۔ رشید حسن خاں اب تک محقق کی حیثیت سے مشہور تھے۔ اس مقدمے میں انھوں نے تنقید کی داد بھی دی ہے اور حق یہ کہ

حق ادا کر دیاہے۔
مقدمے کے سات حصّے ہیں جن میں دوسرا حصّہ خاص طور سے ناسخ کے کلام کے جائزے پر مشتمل ہے۔ تحقیق تنقید کی جس طرح مُمِد ہو سکتی ہے ۔ یہ حصّہ اس کی اچھی مثال ہے ..... اس دیباچے سے یہ طے ہو جاتاہے کم از کم قدیم ادب میں رشید حسن خاں کے عمقِ نظر پر بھروسہ کیا جا سکتاہے۔
میرے لیے تنقیدی حصّے سے زیادہ اہم چوتھا اور چھٹا حصّہ ہے ۔ تیسرے حصّے میں ناسخ کی زبان سے بحث اور چوتھے حصّے میں اس معروفِ عام غلط فہمی کا قلع قمع کیاہے کہ ناسخ نے اصلاحِ زبان کے ضابطے بنائے ۔ مرتب نے کئی اقتباسات سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ ضابطے ناسخ کے بعد ان کے شاگردوں نے بنائے ہیں ۔
فاضل مرتب نے ناسخ کے ہر دور کے کلام سے متعدد ایسی مثالیں دی ہیں جن میں اصلاحی زبان کے برعکس وہی متروکات پائے جاتے ہیں جن کے ترک کا واضع ناسخ کو قرار دیا جاتاہے ۔ ان مثالوں کی تلاش اور ان کے منطقی نتیجے کے استخراج پر مرتب بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں ۔
پانچویں حصّے میں مختصراً ناسخ کے حالاتِ زندگی اور تصانیف کا ذکر ہے ۔ یہ حصّہ یعنی شاعری کے پس منظر کے بعد آنا چاہیے تھا۔
چھٹا حصّہ خالص تحقیقی ہے۔ ناسخ کا انتقال ۱۲۵۴ھ(۱۸۳۸ء) میں ہوا۔ ان کا کلیات پہلی بار ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں چھپا ۔ اس کے ساتھ رشک کا ترتیب دیا ہوا ایک تفصیلی غلط نامہ بھی ہے جس کی رشک نے ۱۲۵۹ھ(۱۸۴۳ء) تاریخ نظم کی ہے ۔ مرتب نے اس غلط نامے کا جائزہ لے کر دکھایا کہ یہ اغلاطِ کتابت و طباعت کا صحت نامہ نہیں بلکہ اصلاح نامہ ہے ۔ ۱۲۵۹ھ(۱۸۴۳ء) میں اگر ایک مصرع کو بدل کر اس کی جگہ بالکل دوسرا مصرع تجویز کر دیا جائے تو یہ کام ناسخ کا نہیں ہو سکتامرتبِ صحت نامہ کاہو گا۔ رشید حسن خاں نے محض شک کا اظہار کیاہے کہ رشک نے فرطِ سعادت مندی کی وجہ سے ناسخ کے کلام میں جا بجا ترمیم کی ۔ میں یقین سے کہہ سکتاہوں کہ ناسخ کے کلام میں کہیں کہیں رشک کی اصلاحیں شامل ہیں ۔''(۵)

ڈاکٹر گیان چند نے ناسخ کے ایک اور مخطوطے میں بھی رشک کی اصلاحوں کی دو مثالیں دے کر تصدیق کی ہے کہ اصلاحِ زبان کا کارنامہ جو ناسخ سے منسوب کیا جاتاہے اصل میں رشک ہی نے انجام دیا۔ یہاں انتخاب صرف ناسخ کی غزلیات تک محدود ہے۔ البتہ اس کے پاکستانی ایڈیشن کے آخر میں رشیدحسن خاں نے اپنا ایک مضمون ''معراج نامۂ ناسخ''کو بھی شامل کر دیاہے جس میں ناسخ کی ابتدائی زمانے کی ایک مثنوی معراج نامہ کا تحقیقی تعارف پیش کیا گیاہے ۔ انتخابِ ناسخ کے علاوہ رشید حسن خاں نے اپنی مرتبہ دو کتابوں انتخابِ مضامینِ شبلی اور گذشتہ لکھنؤ کو بھی اہم قرار دیاہے ۔ وہ

اپنے انٹرویو میں کہتے ہیں:

''میں نے شبلی کے مضامین مرتب کیے اور اس پر مقدمہ لکھا جس میں یہ بحث کی شبلی نقاد تو تھے کیا انھیں محقق کہہ سکتے ہیں ، پھر میں نے شرر لکھنوی کی کتاب گذشتہ لکھنو مرتب کی جس پر مقدمہ لکھا اور جس میں لکھنوی تہذیب کے اس پہلو پر گفتگو کی کہ یہ تہذیب اس قدر جلدختم کیوں ہو گئی اور ظاہر یہ کیا کہ تہذیب بنتی ہے بنائی نہیں جاتی اور لکھنؤ میں ایک تہذیب بنائی گئی تھی اور وہ جلد ختم ہو گئی ۔''(۶)

سودا (۱۷۱۳ء ۔۱۷۸۱ء)کے کلام سے بھی رشید حسن خاں کو خاص دلچسپی تھی ۔ اُنھوں نے مکتبۂ جامعہ کے لیے جو انتخابِ سودا مرتب کیا۔ اِ س کے طویل مقدمے میں اِ ن کے پیش کردہ مباحث سے اندازہ کیا جا سکتاہے کہ اُردو قصیدہ نگاری میں سودا کا مدِمقابل وہ کسی کو نہیں مانتے ۔ اِ س انتخاب میں اُنھوں نے قصائد ، ہجویات، شہر آشوب، غزلیات ، رباعیات اور قطعات وغیرہ میں سے انتخاب کیاہے ۔ گویا سودا کی اِ ن تمام اصناف کی نمائندگی ہو جاتی ہے لیکن سودا کی بنیادی شہرت قصیدہ اور ہجو کے حِصّے زیادہ ہیں ۔ آخر میں '' فرہنگ'' بھی تیار کر کے شامل کی گئی ہے ۔ رشید حسن خاں نے اِ س انتخاب کے متن کی بنیاد انڈیا آفس لندن کے کلامِ سودا کے ایک اہم مخطوطے کو بنایا ہے اور اس مخطوطے کی خصوصیات اور اہمیت کو بھی بیان کیا ہے کہ تدوین میں اسے بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ سودا سے رشید حسن خاں کی دلچسپی کا اندازہ اِس سے بھی کیا جا سکتاہے کہ وہ اِ ن کے کلیات کی باقاعدہ تدوین بھی کرنا چاہتے تھے ۔

مکتبۂ جامعہ کے لیے مرتب کی جانے والی اِ ن کتابوں میں رشید حسن خاں نے دو چیزوں کو پیشِ نظر رکھا۔ ایک صحتِ متن اور دوسرا صحتِ املا۔ صحتِ متن کے حوالے سے یہ اُصول اپنایا کہ اِ س مصنف و شاعر کا کوئی مستند قلمی یا مطبوعہ نسخہ بنیاد بنایا جائے اور اِ س میں جو اغلاط ہوں اُنھیں دوسرے اہم نسخوں کی مدد سے درست کر دیا جائے۔ اِ س پر رشید حسن خاں نے سختی سے عمل کیا ہے ۔ اختلافِ نسخ اور حواشی کی عدم موجودگی میں صحتِ متن کے لحاظ سے رشید حسن خاں کی ان کتابوں کو نیم تدوینی کہہ سکتے ہیں ۔ صحتِ املا کے حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ یہ ساری کتابیں ۱۹۷۲ء تک شائع ہو چکی تھیں ۔ اِ س وقت تک رشید حسن خاں املا کے مباحث کا احاطہ کر چکے تھے اور انقلابی اصلاحات کے پھیر سے نکل کر اُردو اِملا کی ترتیب میں مصروف تھے ۔ لیکن یہ تو ۱۹۷۲ء کے آس پاس کی بات ہو سکتی ہے ۔ اِ ن کتابوں کی ترتیب و اشاعت کے دوران میں ابھی وہ املا کے اُصول و قواعد کا مکمل تعین نہیں کر سکے تھے ۔ متن کو بڑی حد تک منشائے مصنف کے مطابق رکھنے کی اُنھوں نے کوشش کی لیکن املا کے لیے کیا طریق اختیار کیا اِس کی وضاحت کسی تعارف اور مقدمے میں نہیں ملتی سوائے مقدمہ شعر و شاعری کے ۔ مقدمہ شعرو شاعری پہلی بار ۱۸۹۳ء میں دیوانِ حالی کے ساتھ

چھپا تھا ۔ رشید حسن خاں نے اسی کو بنیاد بنایا اور اس دیوان سے مقدمے کو لیا۔ اس ایڈیشن کے املا کے بارے میں اور اپنے مرتبہ متن کے املا کے بارے میں رشید حسن خاں لکھتے ہیں :

> ''اس اولین مطبوعہ نسخے میں بعض الفاظ کا ایسا املا ملتاہے ، جواب بالا تفاق متروک ہے ۔ مثلاً دونوں ، اس میں ہر جگہ '' دونو'' ملتا ہے ۔ یا تیار کو طیّار لکھا گیاہے ۔ ایسے مقامات پر جدید املا کو اختیار کیا گیاہے ۔ مجموعی طور پر اِملا میں اُن اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جن کو ایک زمانے میں انجمنِ ترقی اردو ہند نے تسلیم کیا تھا۔ کلاسکی ادب کی سستی کتابوں کے سلسلے میں بھی اِ سی املا کی پابندی کی گئی ہے ۔ بعض جگہ پیرا گراف کا اضافہ کیا گیا ہے اور توقیف نگاری کا اہتمام بھی ملحوظ رکھا گیاہے ۔ اضافت کے زیر التزام کے ساتھ لکھے گئے ہیں ۔
>
> متن میں بعض مقامات پر واضح طور پر معلوم ہوتاہے کہ کوئی لفظ چھوٹ گیاہے ۔ ایسے مقامات پر قیاسی تصحیح سے کام لیا گیا ہے اور وضاحت و امتیاز کی خاطر یہ اضافہ قوسین میں کیا گیاہے لیکن ایسے مقامات بہت کم ہیں ۔
>
> اِ س کتاب میں جہاں جہاں '' مصالح '' آیا ہے ۔ اُسے ''مسالا''لکھا گیا ہے دہلی والے ایک زمانے میں اِ س لفظ کا یہی اِملا لکھا کرتے تھے اس لیے مسالا مستعمل ہے ۔ '' چاہئیں '' کو ہر جگہ '' چاہیے'' لکھا گیا ہے اور اسمائے اعلام کے علاوہ ، جن الفاظ کے آخر میں الفِ مقصورہ بہ صورتِ یٰ ہے جیسے دعویٰ ، اعلیٰ ، ان کو الف سے لکھا گیاہے ۔ ص: ۲۱۵ پر ایک جگہ مطبوعہ نسخے میں ''پھوڑپن '' آیا ہے ۔ ''قصہ نگار کا پھوڑپن ثابت ہوتاہے '' مجھے یہ لفظ کسی لغت میں نہیں ملا۔ اسے '' پھوہڑ پن '' بنادیاہے ۔''(۷)

اِ س سے قیاس کیا جا سکتاہے کہ اِ ن کتابوں کے نصابی ہونے کی مجبوری کے تحت یا املا کے بارے میں اپنے مختارات کے عدم تعین کے باعث جدید املا کو ترجیح دی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ کسی کتاب کے تعارف یا مقدمے میں املا کے اختیار کیے جانے کے بارے میں کہیں ذکر نہیں ۔ شاید اسی لیے کہ یہ کتابیں نصابی ضرورت اور عام افادے کے لیے تھیں کوئی خاص تحقیقی و تدوینی ایڈیشن نہیں تھے ۔ انتخابِ ناسخ پر اور اس کے مقدمے پر رشید حسن خاں نے بہت توجہ دی اور بڑی شرح و بسط کے ساتھ تحقیق و تنقید دونوں کا حق ادا کیا۔ لیکن اس میں اختیار کیے جانے والے املا کے بارے میں کچھ وضاحت نہ کرنا کمی کا احساس دلاتاہے ۔ خصوصاً اس صورت میں کہ اُنھوں نے کلیات ناسخ کی جس اشاعت اوّل کو متن کی بنیاد بنایا اس کی ترتیب و اشاعت میں رشک کا مشورہ بھی رہا اور رشک کی اصلاحوں پر اُنھوں نے گرفت بھی کی ہے لیکن یہ وضاحت کہیں نہیں آئی کہ کیا ان کی اصلاحوں کے بغیر یہ متن مرتب کیا۔ یعنی یہ پتا نہیں چلتا کہ رشید حسن خاں کا مرتب کردہ متن منشائے

ناسخ کے مطابق ہے یا منشائے رشک کے مطابق ہے۔

مکتبۂ جامعہ کی اِ ن کتابوں کے جتنے ایڈیشن مل سکے ہیں ۔ اِ ن میں سے باغ و بہار کا چوتھا ایڈیشن ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ اِس سے اندازہ ہوتاہے کہ کم از کم ۱۹۷۷ء یا اِس کے بہت بعد تک اِ ن میں سے جن کتابوں کے نئے ایڈیشن شائع کیے جاتے تھے وہ کتابت شدہ پہلے ایڈیشنوں کی عکسی اشاعتیں ہی ہیں ۔ لیکن باغ و بہارکا ۲۰۱۲ء کا ایڈیشن نئے سرے سے کمپیوٹر کمپوزنگ میں ہے ۔ باقی کتابیں اب بھی اسی طرح عکسی اشاعت ہیں ۔ مکتبۂ جامعہ نے اِ س میں سے کچھ کتابیں ۲۰۱۱ء سے قومی کونسل برائے فروغ اُردو کے اشتراک سے شائع کرنا شروع کی ہیں یہ بھی عکسی اشاعتیں ہیں اور یہ اچھی بات ہے ۔ کہنا صرف یہ ہے کہ اگر کمپیوٹر کمپوزنگ میں اِ ن کو شائع کرنا ہے تو کم ازکم ایک یہ کوشش کر لی جائے کہ اِ ن میں سے جو کتابیں انجمن ِترقی ِ اُردو کے لیے رشید حسن خاں نے مرتب کی ہیں ۔ اُن کے متن اور فرہنگ کو پیش کرنا چاہیے ۔ اس سلسلے میں انجمن سے باقاعدہ اجازت لی جا سکتی ہے ۔ اِ س کے شروع میں دو چار صفحوں کے تعارف کی بجائے رشید حسن خاں کے طویل مقدموں میں سے کچھ ضروری حِصّے بھی شامل کیے جا سکتے ہیں ۔ دوسری صورت میں کمپیوٹر کمپوزنگ نہ کرائی جائے بلکہ عکسی ایڈیشن شائع کیے جائیں تاکہ کتابت یا پروف کی غلطیاں بھی نہ ہوں اور اِ ن پہلے ایڈیشنوں کی حیثیت بھی برقرار رہے ۔

مکتبۂ جامعہ کی اِ ن تیرہ کتابوں کے علاوہ رشید حسن خاں کی تین اور مرتبہ کتابیں بھی ہیں جن میں سے ایک دیوان ِ حالی ہے ۔ اُردو اکادمی دہلی نے اُردو کی بعض اہم کتابوں کے اہم مطبوعہ ایڈیشنوں کی عکسی اشاعت کا فیصلہ کیا تھا ۔ اِ سی سلسلے میں رشید حسن خاں نے اپنے مقدمے کے ساتھ دیوان ِ حالی چھپنے کے لیے دیا۔ جو ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ اس کے پیش لفظ میں ڈاکٹر خلیق انجم (۱۹۳۵ء-۲۰۱۶ء)لکھتے ہیں:

> ''اردو اکادمی کی تحقیقی و اشاعتی کمیٹی نے فیصلہ کیاہے کہ بعض اہم اردو کتابوں کے پہلے اڈیشن آفسٹ کے ذریعے جوں کے توں شائع کر دیے جائیں ۔ اس فیصلے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دو بارہ کتابت کرانے سے متن میں ، پوری احتیاط کے باوجود، خاصی تعداد میں غلطیاں راہ پا جاتی ہیں ۔ اس منصوبے کے تحت دیوان ِ حالی کا پہلا اڈیشن بھی شائع کرنے کا پروگرام بنایا گیا تو اُس پر مقدمہ لکھنے کے لیے کمیٹی نے اتفاق رائے سے رشید حسن خاں صاحب کا نام تجویز کیا۔ مجھے بے انتہا مسّرت ہے کہ غیر معمولی مصروفیات کے باوجود خاں صاحب نے کمیٹی کی تجویز منظور کر لی ۔
>
> رشید حسن خا ن صاحب کا ہمارے عہد کے ممتاز ترین محققوں اور نقادوں میں شمار ہوتاہے ۔ پچھلے پندرہ برس میں اُنھوں نے اردو تحقیق ، تنقید اور لغت شناسی میں بہت اہم اور قابل ِ قدر اضافہ کیاہے ۔ اُردو املا پر ان

کی کتاب اپنے موضوع پر اہم ترین کام ہے ۔
دیوانِ حالی کا مقدمہ مختصر ضرور ہے، لیکن خاں صاحب نے اُس میں حالی کی شعری اور فنی صلاحیتوں کا بہت ہی منصفانہ اور بھر پور جائزہ لیاہے ۔ اُنھوں نے ہی اپنے ذاتی کتب خانے سے حالی کے دیوان کا پہلا اڈیشن عنایت فرمایاتھا ،جیسے شائع کیا جا رہاہے ۔''(۸)

رشید حسن خاں کے پاس دیوانِ حالی کا پہلا ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۹۳ء تھا۔ جس کے ساتھ حالی کا مقدمہ بھی تھا۔ مکتبۂ جامعہ کے لیے رشید حسن خاں نے مقدمہ شعرو شاعری کو اسی دیوان سے لیا تھا لیکن اس کی کتابت نئی کروائی تھی ۔ اردو اکادمی کے منصوبے کے تحت حالی کے مقدمے کو الگ کر کے صرف دیوان کا عکسی ایڈیشن شائع کیا گیاہے ۔ اس کی کتابت بہت خوبصورت تھی اور رشید حسن خاں اس کے کاتب سے مطمئن بھی تھے ۔ وہ اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''حالی(۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ ء) کا یہ دیوان ، جیسا کہ ابتدا میں لکھا گیاہے ، ۱۸۹۳ء میں چھپا تھا۔ اُس کے بعد یہ بار بار چھپا ہے، مگر ہر بار کتابت کی غلطیوں کا اس میں اضافہ ہوتا گیا ۔ ایک یہ بات بھی ہے کہ آپ اس اشاعتِ اوّل کی کتابت پر نظر ڈالیں تو آنکھوں میں نور اُتر آئے گا ۔ اب اکثر و بیش تر ایسی کتابت سامنے آتی ہے جس کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے تو وہ پتھر کا زمانہ اچھا تھا ۔ اناڑی مزدور بھی اب راج بن کر دیوار کی چنائی کرنے لگتے ہیں ، اس بھروسے پر کہ اوپر سے سیمنٹ کا پلاستر سارے عیبوں کو چھپا دے گا ۔ وہی احوال آفسٹ کی طباعت کا ہے ، کہ آدمی سمجھتا ہے کہ کیسی ہی کتابت ہو، آفسٹ کی چھپائی میں آ کر سب عیب چھپ جائیں گے ۔ یوں اُردو اکادمی ،دہلی نے یہ نہایت مناسب فیصلہ کیاکہ حالی کے اِ س دیوان کی اشاعتِ اوّل کا عکس شائع کیا جائے ۔ اس سے دو فائدے ہوں گے ۔ ایک تو یہ کہ نئی غطلیوں کا اضافہ نہیں ہو سکے گا اور دوسرے یہ کہ کتابت کا حسن برقرار رہے گا ۔ بات یہ ہے کہ اِس دیوان کی کتابت جن صاحب نے کی تھی ، اُنھوں نے صرف دو سال یا تین سال میں ، کسی ادارے میں کتابت نہیں سیکھی تھی ، عمر کا اچھا خاصا حصہ اصولوں کو سیکھنے سمجھنے میں صرف کیا تھا۔''(۹)

دیوانِ حالی میں رشید حسن خاں کا ۲۱ صفحے کا مقدمہ بہت مفید مطلب ہے۔ اِ س میں اُنھوں نے مولانا حالی کے شعری رویوں اور نظریاتی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اِ ن کی غزل گوئی کو بھی بہ طور خاصِ موضوع بنایا ہے اور اِ ن پر مومن اور شیفتہ کے اثرات کی واضح مثالیں پیش کی ہیں ۔ اطہر فاروقی دیوانِ حالی میں شامل رشید حسن خاں کے مقدمے کے بارے میں اپنے تبصرے میں لکھتے ہیں:

''رشید حسن خاں صاحب کا شمار اُردو کے ممتاز محققین میں ہوتاہے اور وہ اپنی ناقدانہ صلاحیتوں کا بھی لوہا منو ا چکے ہیں ۔ اپنے مقدمے میں خاں صاحب نے حالی کی شاعری کا جائزہ اس پس منظر میں لیا ہے جو حالی کی شخصیت اور شاعری میں کارفرما ہے۔ مقدمے میں خاں صاحب نے حالی کے شعری رویوں سے بہت جامع بحث کی ہے۔''(۱۰)

اِ س کا دوسرا ایڈیشن بھی اردواکادمی ، دہلی ہی سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اِ س پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد منصور عالم نے اِ س بات پر اعتراض کیاہے کہ رشید حسن خاں نے اِ س دیوان میں سے حالی کا مقدمہ نکال کر اپنا مقدمہ شامل کر دیا ہے ۔ چاہیے تھا کہ مقدمہ شعرو شاعری کو اِ س کا جزو رہنے دیا جاتا۔ منصور عالم لکھتے ہیں:

''دیوان حالی پر مقدمہ جناب رشید حسن خاں نے لکھا ہے ۔ میں نے اسے پڑھا تو ذہن میں یہ بات آئی کہ ایک مقدمہ خود حالی نے دیوان پر لکھا تھا، وہ کیسا تھا ! اور دوسرا مقدمہ خاں صاحب نے لکھا ہے ، یہ کیسا ہے !! اِنھوں نے تنقیدی نظر تو ڈالی ہے لیکن تقابل ،تجزیے اور تعین قدرو مقام کا کام قارئین پر چھوڑ دیاہے ۔''(۱۱)

اُنھوں نے بڑی معقول بات کی ہے ۔ اِ س دیوانِ حالی مع مقدمہ شعرو شاعری کی کتابت کی جس قدر رشید حسن خاں نے تعریف کی ہے اور اِ س عکسی اشاعت سے اِ س کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے ۔ کیا ہی اچھا ہوتااگر مقدمہ شعرو شاعری والا حِصّہ بھی اِسی طرح عکسی صورت میں شامل رہتا ۔ رشید حسن خاں کے پیشِ نظر شاید یہ خیال یا احساس رہا ہے کہ مکتبۂ جامعہ کے لیے اُنھوں نے جو مقدمہ شعرو شاعری مرتب کیا تھا ، اِ س کی اہمیت کم ہوسکتی ہے یا ادارے کو اِ س پر اعتراض بھی ہو سکتا ہے ۔ اگر ایسا امکان تھا بھی، تب بھی رشید حسن خاں کے لیے مکتبہ جامعہ کو مطمئن کرنا کوئی مشکل نہیں تھا کیونکہ اِ س عکسی اشاعت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہی جواز رشید حسن خاں پیش کر سکتے تھے ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود اردو اکادمی کو اعتراض ہوا ہوکہ مقدمہ شعرو شاعری تو مکتبۂ جامعہ بھی چھاپ رہاہے لہٰذا اس کو یہاں نہ دہرایا جائے ۔

رشید حسن خاں نے انجمنِ ترقیِ اُردو ہند نئی دہلی کے لیے '' مولوی عبدالحق نصابی سیریز''کے تحت مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی (۱۸۸۳ء-۱۹۴۷ء)کی دو کتابیں بھی مرتب کیں ۔ یہ ڈاکٹر نذیز احمد کی کہانی .....اور دہلی کی آخری شمع ہیں ۔ ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کے حرفِ آغاز میں ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی__ کچھ اُن کی اور کچھ میری زبانی کا شمار اُردو کے اعلا ترین خاکوں ہی میں نہیں اُردو کی بہترین

> تحریروں میں بھی ہوتاہے ۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے چالیس پینتالیس سال سے یہ خاکہ یا اِ س کے اقتباسات اسکولوں اور کالجوں کے مختلف نصابات میں شامل ہوتے آ رہے ہیں ۔ متنی تنقید کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ بغیر مرتب کیے ہوئے جو تحریر جتنی بار چھپے گی ، اُتنی ہی زیادہ اس میں غلطیاں ہوں گی ۔ یہی حالِ اس خاکہ کا بھی ہواہے ۔ کسی بھی متنی نقاد نے اِ س کا تنقیدی اڈیشن تیار نہیں کیا ۔ نصابی ضرورتوں کے لیے پبلشربار بار اسے کتابی صورت میں شائع کرتے رہے ۔ نتیجہ یہ ہے کہ اِ س میں بے شمار غلطیاں در آئی ہیں ۔ انجمن کی ادبی کمیٹی نے رشید حسن خاں صاحب سے درخواست کی کہ وہ اس طرح کی تمام کتابوں کو جو مختلف سطحوں کے نصاب میں شامل ہیں اور بار بار چھپنے کی وجہ سے اُن کے متن میں ترمیم و اضافے اور حذف ہو گئے ہیں ، مرتب کر دیں تاکہ انجمن انھیں شائع کر سکے ۔ مجھے دلی مسرت ہے کہ رشید حسن خاں صاحب نے ہماری درخواست قبول کرکے یہ کام شروع کر دیا ہے ۔ زیر نظر کتاب اِ س سلسلے کی پہلی کڑی ہے ۔''(۱۲)

اس سے اندازہ ہوتاہے کہ انجمن کے پیشِ نظر یہ بات تھی کہ ایسے متن جو نصابات میں شامل رہتے ہیں اور بار بار کی اشاعت سے ان کا متن عدمِ صحت کا شکار ہو چکا ہے ۔ اِ ن تمام کو انجمن رشید حسن خاں سے مرتب کروانا چاہتی تھی اور اُنھوں نے یہ درخواست قبول بھی کرلی تھی ۔ اِس نوعیت کی دو کتابیں فسانۂ عجائب اور باغ و بہار انجمن کے لیے رشید حسن خاں مرتب کر چکے تھے جو مکمل آدابِ تدوین کے ساتھ مرتب ہونی تھیں لیکن وہ مولوی عبدالحق میموریل سیریز کے تحت مرتب اور شائع ہوئی تھیں ۔ ان کی ترتیب و تدوین کا دائرہ وسیع تھا اور اس لیے وقت بھی زیادہ لگنا تھا۔ یہ سوچ کر مولوی عبدالحق نصابی سیریز کی صورت نکالی گئی ہو گی کہ بعض اور اہم کتابوں کی فوری اشاعت کی جا سکے لیکن اِ س سلسلے کے تحت رشید حسن خاں صرف یہی دو کتابیں مرتب کر کے دے سکے اور یہ دونوں ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی تھیں ۔ اِ س کی ایک وجہ تو یہی ہو گی کہ نصابی ضرورت اور اس سے ہٹ کر گلزارِ نسیم اور سحرالبیان ابھی رشید حسن خاں کے پیشِ نظرتھیں جنھیں اُنھوں نے انجمن ہی کے لیے مرتب کرنا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہو گی کہ اِ س نوعیت کی بیشتر کتابیں مکتبۂ جامعہ چھاپ چکا تھا۔

رشید حسن خاں نے مرزا فرحت اللہ بیگ کے دو شاہکار وں کو انتخاب کیا۔ کسی طرح کی نصابی ضرورتوں سے ہٹ کر ان کی دونوں کتابیں اُردو ادب کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہیں ۔ ایک اُردو کا پہلا باقاعدہ خاکہ کہلاتا ہے جس سے خاکہ نگاری کا آغاز ہوتاہے تو دوسری کتاب دہلی کے ایک یادگار مشاعرے کی صورت میں اِ س تاریخی شہر کی مٹتی ہوئی قدروں کی یاد تازہ

کرتی ہے ۔ مرزا صاحب کا اسلوبِ بیان اس پر مستزاد ہے۔

رشیدحسن خاں نے ڈاکٹر نزیر احمد کی کہانی ..... میں شامل اپنے مختصر مقدمے میں پہلے مولوی نذیر احمد کی خدمات کا بڑے مختصر اور جامع انداز میں احاطہ کیاہے ۔ اس کے بعد مرزا فرحت اللہ بیگ کے مختصر تعارف کے ساتھ ان کے اس خاکے کے ادبی و فنی محاسن کو بیان کیاہے ۔ خلافِ معمول رشید حسن خاں کے اس مقدمے میں ان دونوں کے بارے میں کوئی چبھتا ہوا یا سخت جملہ نہیں ملے گا ۔ مرزا صاحب کے اس خاکے کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''مولوی صاحب کی کتابوں سے اور اُن کی ایسی دوسری تحریروں سے ہم کو یہ تو معلوم ہو جاتاہے کہ وہ اپنے زمانے کی تبدیلیوں کو کس نظر سے دیکھتے تھے ، اُن کے سوچنے کا ڈھنگ اور اُن کا نقطۂ نظر کیا تھا ، اُن کی تحریروں سے اُن کے لکھنے کا انداز بھی ہمارے سامنے آ جاتاہے ؛ اِ ن سب باتوں کے باوجود ہم کو یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ مولوی صاحب کی شخصیت کیسی تھی ۔ انسانی سطح پر اور شخصی سطح پر اُن میں کیا خوبیاں تھیں اور کیا کم زور یاں تھیں ۔ بات یہ ہے کہ تحریر، لکھنے والے کا صرف ایک رُخ ہمارے سامنے پیش کیا کرتی ہے۔ ہم اُس کے اندازِ فکر سے تو واقف ہو سکتے ہیں ، لیکن خود اُس سے ، اُس کی بھر پور شخصیت سے ، اُس کی شب و روز کی مصروفیتوں سے اور پسند و ناپسند سے واقف نہیں ہو پاتے ۔ کتاب میں مصنف ہمارے سامنے آتاہے ، شخص ہمارے سامنے نہیں آ پاتا ۔ مولوی صاحب کی کتابوں میں ایک زبردست عالم اور اُردو کے ایک بڑے انشا پرداز سے ہماری ملاقات ضرور ہوتی ہے ۔ لیکن نذیر احمد جو ایک شخص تھے ، جو انسان تھے اور انسانوں کی طرح جن کی زندگی میں بہت سے پہلو تھے ؛ اُن کو ہم نہیں دیکھ پاتے ۔ اپنی تحریروں میں وہ عمامہ باندھے ، جُبہ پہنے ایک باوقار اور اعلا درجے کے خطیب کی حیثیت سے اسٹیج پر کھڑے ہوئے تقریر کرتے خطابت کے جوہر دکھاتے نظر آتے ہیں ۔ اُن نذیر احمد سے ہماری ملاقات نہیں ہو پاتی جو پھبتی کسنے اور جملے چسُت کرنے میں بھی کمال رکھتے تھے ۔ نہایت درجہ خوش مذاق تھے ، یہاں تک کہ بہت متین اور بہت سنجیدہ طالب علموں کو '' مُسمُسے '' اور '' مُقَطّع'' کہہ کر اپنی بیزاری کا اظہار بھی کر دیتے تھے ۔ اِ ن نذیر احمد سے صحیح معنوں میں ہمارا تعارف ہوتا ہے مرزا فرحت اللہ بیگ کے اُس خاکے میں جسے آپ پڑھیں گے ۔''(۱۳)

رشید حسن خاں نے مرزا فرحت اللہ بیگ کے اس خاکے کی خصوصیات

بتانے کے بعد لکھا ہے کہ یہ ایک طرح سے اردو کا پہلا خاکہ ہی نہیں بلکہ مرزا فرحت اللہ کی بھی پہلی ادبی تحریر ہے جو انھوں نے مولوی عبدالحق (۱۸۷۰ء-۱۹۶۱ء) کے اصرار پر لکھی ۔ اِ س کی پہلی اشاعت انجمن کے رسالے اردو میں ہوئی تھی ۔ رشید حسن خاں نے اِ س کی مختلف اشاعتوں کو تو پیشِ نظر نہیں رکھا نہ اِن اغلاط کتابت اور اختلاف نسخ کی نشاندہی کی ہے جس کا خلیق انجم نے ذکر کیاہے ۔ اندازہ توہو جاتا ہے کہ کتابت و طباعت کی کس طرح کی غلطیاں ان اشاعتوں میں ہوتی رہی ہیں۔ رشید حسن خاں نے اس کے متن کی بنیاد مضامینِ فرحت کی اشاعت اوّل کے اس نسخے کو بنایا ہے جو خود مرزا صاحب نے مولوی عبدالحق کو اپنے دستخطوں کے ساتھ پیش کیاتھا۔ رشید حسن خاں کے مطابق رسالہ اردو سے کتاب میں لاتے ہوئے مرزا فرحت نے اس پر نظر ثانی بھی کی تھی اس طرح رشید حسن خاں نے درست متن کو بنیاد بنایا۔ وہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ میں نے جب رسالۂ اُردو اور مضامینِ فرحت میں شامل اِ س مضمون کا مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ مجموعے میں شامل کرنے کے لیے مرزا صاحب نے اِ س پر نظرِ ثانی کی تھی ، یہی وجہ ہے کہ جگہ جگہ لفظ اور جملے بدلے ہوئے ملتے ہیں ۔ (ہاں ایک یہ بات بھی ہے کہ کتابت کی غلطیاں اِ س مجموعے میں خاصی تعداد میں ہیں) میں نے مضامینِ فرحت (اشاعتِ اوّل ، حیدر آباد دکن) میں شامل اِ س خاکے کے متن کو بنیاد بنایا ہے اور جو فاش اور قطعی طور پر واضح اغلاطِ کتابت ہیں ، اُن کی تصحیح رسالۂ اُردو میں شائع شدہ مضمون کی مدد سے کی گئی ہے ۔''(۱۳)

اس کتاب کے آخر میں'' فرہنگ ''بھی شامل ہے جس سے اندازہ ہوتاہے کہ اس میں کتاب کے بہت سے اہم لیکن خاص و عام الفاظ و مرکبات کے معنی طلبہ کی سہولت کے لیے شامل کر لیے گئے ہیں ۔

دہلی کا آخری مشاعرہ میں خلافِ معمول ڈاکٹر خلیق انجم کا '' حرفِ آغاز'' خاصا طویل ہے جو دس گیارہ صفحات پر مشتمل ہے ۔ عموماً ان کا ''حرفِ آغاز''دو چار صفحوں کا ہوتاہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دہلی اُن کا خاص موضوع ہے اور اس کتاب کا موضوع بھی دہلی کی ادبی قدروں کا ایک اہم باب ہے ۔ رشید حسن خاں کا'' پیش لفظ '' صرف ساتھ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اور ان دونوں تحریروں میں مرزا فرحت اللہ بیگ کی اس کتاب کی خصوصیات کو بڑے جامع انداز میں بیان کیا گیاہے ۔ ایک فرضی مشاعرے کا یہ بیان جو اپنی منظر نگاری اور مرقع نگاری کے حوالے سے اہم اور بڑی ڈرامائی کیفیت لیے ہوئے ہے ۔ سب سے پہلے انجمن کے رسالے اُردو میں ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔ اور اس کے بعد مضامینِ فرحت کے پہلے معاصر ایڈیشن میں شامل ہوا۔ اس پر

بھی مرزا فرحت اللہ بیگ نے نظرِ ثانی کی تھی ۔ اور رشید حسن خاں نے اسی کو متن کی بنیاد بنایاہے ۔ رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

> ''مرزا فرحت اللہ بیگ کا یہ مضمون (جسے شعری اور تہذیبی مرقع کہنا چاہیے) سب سے پہلے انجمنِ ترقی اُردو(ہند) کے رسالۂ اُردو میں ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا ۔ ایم ۔ حبیب خاں صاحب نے از راہِ لطف انجمن کی لائبریر ی سے اِ س شمارے کا عکس میرے پاس بھیجوا دیا۔ مضامینِ فرحت (اشاعتِ اوّل ، حیدر آباد دکن) حصّہ اوّل میں بھی یہ مضمون شامل ہے ۔ مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ مضامینِ فرحت میں شامل کرتے وقت مرزا صاحب نے اِ س پر نظر ثانی کی تھی ۔ اِ س بنا پر میں نے اِ س متن کی بنیاد اِ سی کو بنایا ہے ۔ یہ واقعہ ہے کہ اِ س کتاب میں کتابت کی اغلاط موجود ہیں ، اُن کی تصحیح رسالۂ اُردو میں شامل مضمون کی مدد سے کی گئی ہے ۔ یہ مضمون مختلف ناموں سے چھپا ہے ، خواجہ حسن نظامی نے اِ سے ''دہلی کی آخری شمع ''کے عنوان سے چھاپا تھا؛ لیکن مرزا فرحت اللہ بیگ نے اِ س کا عنوان '' ۱۲۶۱ھ(۱۸۴۵ء) میں دہلی کا ایک مشاعرہ '' رکھا تھا ، اُسی عنوان کو برقرار رکھا گیاہے۔''(۱۵)

اس ایڈیشن کا مرکزی عنوان ''دہلی کی آخری شمع '' ہی ہے جو رشید حسن خاں کے مطابق خواجہ حسن نظامی نے رکھا تھا۔ لیکن مرزا فرحت اللہ بیگ کا دیا ہوا عنوان۱۲۶۱ھ (۱۸۵۴ء)میں ''دہلی کا ایک مشاعرہ'' کو ذیلی عنوان کے طور پر سرو رق پر لکھا گیاہے۔ انجمن کی طرف سے اس کی پانچویں اشاعت پیشِ نظر ہے جس میں فرہنگ شامل نہیں ہے اور نہ اس کے شامل نہ کرنے کی کوئی وجہ بیان کی گئی ہے ۔ موضوع اور زبان و بیان کے لحاظ سے اس سلسلے کی پہلی کتاب ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی..... کی نسبت اس میں فرہنگ کا شامل کیاجانا زیادہ ضروری تھا ۔ دہلی کا آخری مشاعرہ کی پیشِ نظر اشاعت ۲۰۰۹ء کی ہے اور اس کو اشاعت پنجم قرار دیا گیاہے ۔ اس سے ان کتابوں کی ضرورت اور مقبولیت کا انداز ہ کیا جا سکتاہے ۔ صحتِ متن کے لحاظ سے واقعتا یہ دونوں کتابیں بھی ان کے دوسرے ایڈیشنوں کی نسبت زیادہ معتبر اور اہم بھی ہیں۔

رشید حسن خاں کی مرتبہ ان نیم تدوینی کتابوں کا ان کی تدوین کے مثالی نمونوں سے تقابل نہیں کرنا چاہیے ۔ ان کا دائرہ کار مختلف ہے۔ ان کا دائرہ کار اور مقاصد مختلف ہیں ۔اور اپنے دائرہ کار کے مطابق یہ کتابیں بھی اپنی اہمیت رکھتی ہیں جو بازار میں عام چھپنے والے ان کتابوں کے ایڈیشنوں سے بدرجہا بہتر اور معتبر ہیں ۔

حوالہ جات

۱۔ رشید حسن خاں ،مرتبہ؛ **باغ و بہار** ، نئی دہلی :مکتبۂ جامعہ ،اپریل ۲۰۱۲ء، ص ۷۔۸

۲۔ شاہد علی خاں ، ''حرفِ آغاز''، مشمولہ؛ **مقدمہ شعر و شاعری** ،مرتبہ؛رشید حسن خاں، نئی دہلی : مکتبۂ جامعہ، اکتوبر ۲۰۱۰ء،ص۳

۳۔ رشید حسن خاں ، '' رشید حسن خاں سے ایک انٹرویو''، مشمولہ: ہفت روزہ **ہماری زبان**(رشید حسن خاں نمبر) ، شمارہ نمبر: ۳۳،۳۴،۳۵،۳۶،جلدنمبر: ۶۵،نئی دہلی: یکم تا ۲۸ ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۲۱

۴۔ **ہماری زبان**(رشید حسن خاں نمبر) ، شمارہ نمبر:۳۳،۳۴،۳۵،۳۶،جلدنمبر: ۶۵، ص۲۱

۵۔ گیان چند ، ڈاکٹر، **ذکر و فکر**، اُتر پردیش: ناشر گیان چند، طبع اوّل ، ۱۹۸۰ء، ص ۳۲۹تا۳۳۱

۶۔ رشید حسن خاں ، ''رشید حسن خاں سے ایک انٹرویو''، مشمولہ؛ **ہماری زبان**(رشید حسن خاں نمبر) ، شمارہ نمبر: ۳۳،۳۴،۳۵،۳۶،جلدنمبر: ۶۵ ، ص ۲۱

۷۔ رشید حسن خاں ،مرتبہ؛ **مقدمہ شعر و شاعر ی** ،ص ۷۔۸

۸۔ خلیق انجم ، ڈاکٹر، '' پیش لفظ ''، مشمولہ؛ **دیوانِ حالی** ، مرتبہ ؛ رشید حسن خاں ، دہلی : اُردو اکادمی ،اشاعت دوم ، فروری ۱۹۹۱ء، ص ج

۹۔ رشید حسن خاں ، ''مقدمہ''،مشمولہ ؛ **دیوان حالی** ،مرتبہ؛ رشید حسن خاں ، ص ۲۱

۱۰۔ اطہر فاروقی، تبصرہ (دیوانِ حالی، مرتبہ: رشید حسن خاں)مشمولہ؛ **ایوانِ اُردو** ، جلد ۱، شمارہ ۵، دہلی: اُردو اکادمی،ستمبر ۱۹۸۷ء،ص: ۵۰

۱۱۔ منصور عالم ، محمد ، تبصرہ (دیوانِ حالی ،مرتبہ: رشید حسن خاں)مشمولہ؛ **ایوانِ اُردو**، جلد ۶، شمارہ ۳،دہلی :اُردو اکادمی جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۴۳

۱۲۔ خلیق انجم ، ڈاکٹر، '' حرفِ آغاز ''، مشمولہ : **ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور ان کی زبانی** ، مرتبہ؛ رشید حسن خاں ، نئی دہلی : انجمنِ ترقیِ اُردو ہند ،۱۹۹۲ء،ص ۸

۱۳۔ رشید حسن خاں ، مرتبہ؛**ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور ان کی زبانی** ،ص ۱۱۔۱۲

۱۴۔ ایضاً،ص ۱۹۔۲۰

۱۵۔ رشید حسن خاں ، '' پیش لفظ ''، مشمولہ: دہلی کی آخری شمع(۱۲۶۱ھ میں دہلی کا ایک مشاعرہ)از مرزا فرحت اللہ بیگ، مرتبہ؛ رشید حسن خاں،دہلی:انجمنِ ترقیِ اُردوہند ،اشاعت پنجم ، ۲۰۰۹ء، ص ۲۵